مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ ...... ایک سپاہی، ایک ادیب

ڈاکٹر سید عبداللہؒ

میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں' ملک کی سیاسی زندگی کا محض تماشائی رہا ہوں۔ اس حیثیت سے مجھے اس دور کے اکثر اکابر سے میل جول کا موقع ملتا رہا کسی سے محض سرسری مگر کسی سے گہرا۔

چودھری افضل حق اور احرار جماعت کے اکثر رہنماؤں سے میری ملاقات اسی نوعیت کی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے ان مشاہدات کی بناء پر اس زمانے کی بعض ایسی معلومات پیش کر سکتا ہوں' جن سے اس زمانے کی سیاسی زندگی کے بارے میں ایک نقطۂ نظر قائم ہوسکتا ہے۔ آج کی مجلس میں مرحوم چودھری افضل حق کے بارے میں اپنی یادداشتوں کو پیش کر رہا ہوں۔

چودھری افضل حق' خدا انھیں مغفرت کریں گونا گوں کمالات کے مالک تھے۔ اسلام کے شیدائی، آزادیٔ وطن کے سپاہی، قلم کے سپہ سالار، قول کے کھرے، سادگی کی تصویر اور بے تکلفی کی تفسیر تھے۔

ایک دفعہ عجیب واقعہ پیش آیا۔ چودھری افضل حق کی کتاب ''زندگی'' شائع ہوئی تو حد درجہ مقبول ہوئی۔ اہل نظر کا کہنا ہے کہ پریم چند اور سدرشن نے جہاں ہندو دیہاتوں کی زندگی کی تصویریں پیش کیں۔ افضل حق نے پنجاب کے مسلمان زمینداروں اور دیہاتیوں کے نقشے اس خوبی سے کھینچے ہیں کہ خاص و عام سب کے لیے دل پسند ہیں۔ سرحد کے ایک دوست نے جب یہ کتاب پڑھی تو اتنا متاثر ہوا کہ چودھری صاحب کو دیکھنے کا مشتاق ہوا۔ اسی اشتیاق کے عالم میں وہ ان کے دفتر میں پہنچا۔ وہاں ایک شخص کھری چارپائی پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ سر سے ننگا، ایک بنیان پہنے...... چہرے مہرے سے عام آدمی معلوم ہوتا تھا۔ سرحدی دوست نے پوچھا ''چودھری افضل حق سے ملنا چاہتا ہوں'' اس آدمی نے کہا فرماؤ: سرحدی دوست نے کہا: ''چودھری افضل حق کو مطلع کر دیجیے کہ سرحد سے ایک عقیدت مند ملنے کے لیے آیا ہے۔'' اس آدمی نے پھر کہا ''فرماؤ'' سرحدی دوست کی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے زور سے کہا بھئی یہ کیا فرماؤ فرماؤ کرتے جاتے ہو۔ اٹھ کر چودھری صاحب کو بلاؤ...... وہ آدمی سمجھ گیا کہ اس سرحدی کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ شاید ہیئت کذائی اس کے تعارف اور شناخت میں حارج ہے۔ تب وہ اٹھا اور بالائی منزل پر گیا اور واپس آیا مگر اس مرتبہ سفید قمیص پہن کر سر پر لنگی رکھ کر آیا اور کہا بھئی صاحب فرماؤ، افضل حق آ گیا ہے۔

سرحدی دوست حیرت اور قدرے ندامت کے عالم میں جھکا اور مصافحہ کیا اور معافی مانگی...... مگر چودھری صاحب نے شفقت سے کہا نہیں کوئی بات نہیں۔ پھر پنجابی میں کہا: ''اسیں زمیندار ہوندے آں ایسے طرح بیٹھ جاندے آں......'' اس کے بعد ملاقات ہوئی اور سرحدی دوست پہلے سے بھی زیادہ عقیدت مند ہو کر واپس گیا......!

میں نے یہ واقعہ اس لیے سنایا ہے کہ افضل حق سادہ اور بے تکلف آدمی تھے مگر داخلی حسن کی دولت سے بدرجہ اتم بہرہ ور تھے۔ جن صاحبوں نے ان کی کتاب ''میرا افسانہ'' پڑھی ہے' وہ اس امر کی تصدیق کریں گے کہ ظاہری سادگی اور بدویت کے باطن میں درد اور محبت اور احساسِ حسن کے دجلہ و فرات رواں رہتے تھے...... افضل حق ایک بلند پایہ ادیب تھے۔ انھوں نے سیاسی زندگی کی صعوبتوں اور گراں بار مصروفیتوں کے باوجود بہت کچھ لکھا اور جو کچھ لکھا اتنی خوب صورتی سے لکھا کہ بڑے بڑے ادیب بھی ان کی تحریروں کو پڑھ کر حیرت زدہ ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے زندگی کے ٹھوس مسائل کے متعلق لکھا کرتے تھے...... ظاہری زندگی میں وہ بے جذبات آدمی معلوم ہوتے تھے مگر ان کی تحریروں میں جذبے کی کسک اور احساس کی خلش ہر جگہ موجود تھی۔ اس پر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ حقائق زندگی پر ان کی گرفت بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ادب کے لیے وقف کر دیتے تو اردو نثر میں ایک خاص مسلک کے بانی ہوتے۔ دردمندی کے ساتھ ساتھ مزاح کی لطیف آمیزش، طنز کی ہلکی ہلکی جھلک اور جزئیات کی کامیاب ترتیب اور تصویر کاری کا خاص سلیقہ یہ سب باتیں انھیں ایک طرزِ خاص کا مالک بنانے کے لیے کافی ہیں...... لیکن افضل حق محض ادیب نہ تھے' وہ ایک سیاسی مفکر بھی تھے...... اور سیاسی مفکر بھی۔ وہ جو اپنے فکر کی صداقت واصابت کو پرکھنے کے لیے سقراط کے مانند زہر کا پیالہ پی لیا کرتے ہیں...... افضل حق کی ساری زندگی فکر میں گزری مگر فکر کی یہ ساری زندگی عمل اور جہادِ مسلسل کے لیے بھی وقف رہی۔

چودھری افضل حق قومی نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔ انسانوں کی عام شناخت کے علاوہ گروہوں اور جتھوں کے ذہنی رخوں کی پیمائش میں انھیں کمال حاصل تھا...... وہ لوگ جو ان سے اس لیے ملنے جاتے تھے کہ انھیں اپنا ہم خیال بنائیں گے۔ جب واپس آتے تو خود ان کے ہم خیال بن کر آتے۔ اس میں ان کا خلوص بھی کارفرما ہوتا تھا لیکن اس سے زیادہ ان کا ایک اور ملکہ بھی شامل ہوتا تھا۔ یہ ملکہ وہ تھا جو بلند پایہ رہنماؤں کو ملا کرتا ہے۔ یہ تھا متضاد عناصر میں ربط و تنظیم اور وحدت پیدا کرنے کی قابلیت۔ افضل حق اپنے مخالف کو بھی اپنا بنا لیتے تھے...... اور وہی لوگ جو ان کی مخالفت کے لیے نکلا کرتے تھے۔ ان کے عقیدت مند ہو کر ان کے موید بن جاتے تھے۔ مولانا عبدالقادر قصوری کے بعد افضل حق ہی وہ شخص تھے جو رفع تضاد پر کامل قدرت رکھتے تھے۔ اس قابلیت کی بناء پر وہ اپنی جماعت کے داخلی مناقشات پر قابو پا لیتے تھے اور دوسری جماعتوں پر بھی اثر انداز ہو سکتے تھے۔

اجتماعی نفسیات کے بارے میں ان کے شعور کے ثبوت ہیں۔ ایک واقعہ نقل کرتا ہوں...... ایک مرتبہ میں ان سے ملنے کے لیے گیا تو قدرے افسردہ بیٹھے تھے، یہ کسی تحریک کا زمانہ تھا اور بظاہر میری یاداشت میں ان کی تحریک زوروں پر تھی...... شاید تحریک کشمیر کا دور تھا۔ میں نے کہا چودھری صاحب! مبارک ہو تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ فرمایا ہاں زبیر صاحب! ہو تو رہا ہے مگر میرے خیال میں معاملہ بڑا نازک ہو رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا، نازک کیسا؟ لوگ دھڑا دھڑ رضاکاروں میں بھرتی ہو رہے ہیں...... فرمایا واقعی نازک! اور یہ اس لیے کہ مسلمانوں کی تحریکیں عموماً ایسے ہی فروغ کے باعث بگڑتی ہیں۔ ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں اور وحدت کو اندر سے خراب کرتے ہیں۔ ادھر مخالف اتنا چوکنا ہو جاتا ہے کہ باہر بیٹھ کر اس اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتا ہے...... اور مسلمان بہت جلد پچھلی کارکردگی کو فراموش کر دیتے ہیں،

اعتبار بھی جلدی کرتے ہیں اور بے اعتباری بھی جلدی کرتے ہیں پھر فرمایا شاہ جی دعا کیجیے خدا انجام بخیر کرے۔

چودھری افضل حق ایک خاص نظامِ فکر رکھتے تھے۔ اسلام میں گہرا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی تنظیم اس سرچشمے سے فیض یاب ہوئے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ان کا دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ غریب اور امیر کا تضاد مستقل ہے۔ اسلام اس تضاد کو مٹانے کے لیے آیا تھا اور کامیاب بھی ہوا مگر سرمایہ ایک ایسی پرفریب مگر طاقت ورلعنت ہے کہ بہت جلد اپنی طاقت منوا کے چھوڑتا ہے۔ امیر کبھی غریب کی طرح سوچ ہی نہیں سکتا...... بلکہ خود مذہب میں بھی جدا نقطہ نظر رکھتا ہے۔ امیر اور غریب دو الگ قومیں ہیں' ان کا ملاپ ممکن نہیں۔ ان کی سیاسی تحریک کی تہ میں بھی یہی عقیدہ کارفرما تھا۔ وہ سو فیصد جمہوری عوامی رہنما تھے۔ افضل حق پنجاب کے سیاسی اور معاشی استحکام کے بے حد قائل تھے......اسی لیے انھیں اس پنجابی عصبیت سے بھی مہتم کیا جاتا ہے جو مسلمانانِ ہند کی مرکزی جماعتوں کو پریشان رکھتی تھی۔

افضل حق کا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں کی عسکری تربیت جمہوری اصولوں پر ہونی چاہیے......وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہر آدمی کو حق حاصل ہے کہ وہ مسلح اور ہتھیار بند ہو۔ اسلحہ بندی انسان کا فطری حق ہے اور یہ وہ حق ہے جو قدرت نے جانوروں تک کو بخشا ہوا ہے۔

چودھری افضل حق' احرار تحریک کا دماغ کہلاتے تھے۔ یہ لقب ہر طرح درست اور بجا تھا اور اب بھی مشہور ہے لیکن اس کا تجزیہ زیادہ نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ چودھری صاحب طبعاً اس قسم کی تشہیر کو پسند نہ کرتے تھے مگر زیادہ تر یہ ہے کہ وہ ایک ایسے گروہ کے فرد تھے جس کا ہر فرد فنِ تقریر میں ان سے بہت آگے اور بہت مقبول تھا۔ اسی لیے پبلک میں ان بزرگوں کا سکہ چلتا تھا۔ مرحوم و مغفور سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا مظہر علی اظہر اور دوسرے شعلہ نوا خطیبوں کے ہوتے ہوئے چودھری صاحب کے حصے میں اگر کوئی اعزاز آتا تھا تو وہ یہی کہ ان کی تقریر میں معقولیت ہوتی ہے۔ وہ مفکر اچھے ہیں ،وہ خوب سوچتے ہیں، وہ بحث اچھی کرتے ہیں، ان کا اصل کارنامہ اِنھی اعزازی کلمات کے اندر چھپ کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے اصلی کارنامے سے اب بھی بہت کم لوگ باخبر ہیں۔

میں ذاتی طور پر افضل حق کو احرار کا دماغ سمجھنے کے باوجود انھیں ۱۹۴۰ء سے پہلے کی اسلامی سیاست کا ایک بڑا مفکر سمجھتا ہوں۔ ۱۹۴۰ء کی قید میں نے اس لیے لگائی ہے کہ اس تاریخ کے بعد اسلامیانِ ہند کی تمام سیاسی سرگرمیوں کی باگ مسلم لیگ کے ہاتھ میں آگئی اور بجا طور مسلم لیگ ہی کو اس وقت کی واحد ذمے دار جماعت قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک مسلم لیگ یا تو معطل رہی یا دبی رہی۔ اس دور میں مجلس خلافت مسلمانوں کی اہم جماعت کی حیثیت سے ابھری اور خاصے عرصے تک مسلمانوں میں اس کو قبولِ عام حاصل ہوا۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ مجلس خلافت کے بعض خاص عقائد تھے۔ ان میں ایک تو یہ تھا کہ مسئلہ خلافت کے سلسلے میں مسلمانِ ہند کی رائے کی تنظیم کی جائے مگر داخلی طور پر آزادیٔ ہند، ہندو مسلم اتحاد، آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ساتھ مفاہمت بھی اس کا بنیادی عقیدہ تھا۔

جب خلافت کی تحریک ایفائے خلافت کے بعد ختم ہوگئی اور پنڈت موتی لال نہرو کی قیادت میں جوابی تعاون،

کانگریس کے ایک مؤثر گروہ کا مسلک ٹھہرا اور آزادی کی بے غرض جدوجہد کے بجائے کونسل اور اسمبلی اور ملازمت کا بٹوارہ...... کانگریسی رہنماؤں کو بھی متوجہ کرنے لگا تو ایسے حالات میں مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اگر یہی باتیں سب کے مدنظر ہیں تو مسلمانوں کو دیکھنا ہوگا کہ اس تقسیم میں ان کا تناسب اور ان کی حیثیت کیا ہوگی؟

بظاہر یہ چیز معمولی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک نازک دور تھا۔ مسلم لیگ میدان میں نہ تھی اور اگر تھی بھی تو بے اثر بلکہ بدنام اس وجہ سے کہ اس کے پلیٹ فارم پر کچھ ایسے لوگ قابض ہو گئے تھے جو آزادیٔ ہند کے نام سے بدکتے تھے اور جنھوں نے خود قائداعظم کو اس سے بے دخل کرنے کی پوری کوشش کی۔ غرض مسلم لیگ عوام میں مقبول نہ تھی۔ ادھر مجلس خلافت ہندو مسلم اتحاد کے عقیدے میں کچھ اس طرح ملوث اور الجھی ہوئی تھی کہ ان کی آواز بھی بے اثر ہو چکی تھی۔ ان حالات میں ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو وقت کے جملہ تقاضوں کا جواب دے سکے یعنی:

(۱) آزادیٔ ہند کے سلسلے میں اس کے دعوے سچے سمجھے جائیں۔

(۲) جو مسلمان ہند کے بنیادی حقوق کے دل سے قائل ہو جو محض آلہ کار نہ ہو بلکہ ان حقوق کے لیے قربانی بھی دے سکے۔

(۳) جو آزادی کے مسئلے میں ان تمام قوتوں سے اشتراک کرے جو آزادی پسند ہیں اور مسلم حقوق کے معاملے میں ان تمام قوتوں سے ٹکرا جائے جو مسلمانوں کی ہستی کی نفی کرتی ہوں۔

مجلس احرار اسلام اِنھی عقائد کو لے کر اٹھی اور خاصے عرصے تک اس خلا کو پر کیا جو اس وقت کی مسلم سیاست میں موجود تھا اور جسے اس وقت کی مسلم لیگ پورا نہ کر سکی تھی۔

مجھے اس وقت اس زمانے کی سیاسی زندگی کی جزئیات سے بحث نہیں۔ عرض صرف یہ کرنا ہے کہ اس زمانے کے سیاسی تقاضوں نے مجلس احرار اسلام کو جنم دیا اور مسلّم ہے کہ اس مجلس کے فکری نظام کی تشکیل چودھری افضل حق نے کی۔

افضل حق کی نظر زندگی یا صورت حال کے عملی پہلوؤں پر رہا کرتی تھی۔ وہ خیال پرست تصور پسند شخص نہ تھے۔ انھوں نے ہندوستانی سیاست کا اسی نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا اور اس میں مسلمانانِ ہند خصوصاً مسلمانانِ پنجاب کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی۔ ان کے مطالعے نے انھیں بتایا کہ:

(۱) پنجاب زمینداروں کا صوبہ ہے۔

(۲) ان زمینداروں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

(۳) زمیندار سے ان کی مراد بڑی جاگیرداریاں اور بڑی زمینداریاں نہ تھی بلکہ کسان کاشتکار اور زمین سے متعلق عام زمیندار تھے۔

(۴) وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمان مذہب سے گہری محبت رکھتے ہیں اور یہ اپیل ان کے لیے سب سے زیادہ جاذب توجہ بھی ہے۔ اس لیے انھوں نے غریب کسانوں کی تنظیم کے ساتھ مذہب اور دنیا کی اساس کو خاص طور سے مدنظر رکھا۔

اس طرح انھوں نے ایک ایسا نظام پیش کیا جس میں اسلام، آزادیٔ ہند، عوامی تنظیم، پنجاب کی اہمیت اور پنجاب کے دیہاتوں اور کسانوں کی تنظیم بنیادی عقائد کے طور پر سامنے رکھے گئے۔

مسلمانانِ ہند کی سیاسی زندگی کو احرار کے اس موقف سے یہ فائدہ پہنچا کہ دنیا کے ہندونواز حلقوں کے اس پروپیگنڈے کی تردید ہوتی رہی کہ مسلمانانِ ہند آزادی کے لیے بے تاب نہیں۔ احرار نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مسلم حقوق کے مطالبے کے ساتھ ساتھ مسلمان آزادی وطن کے بھی سپاہی ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ پہنچا کہ ہندو حلقوں پر یہ روشن ہو گیا کہ ان کانگریسی مسلمانوں کا موقف درست نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آزادی طلبی کا تقاضا یہ ہے کہ الگ مسلم حقوق کا مطالبہ ہی نہ کیا جائے۔ غرض آزادی اور مسلم حقوق دونوں کے لیے جہادِ احرار کے مدنظر تھا اور ان کی سیاسی تاریخ صاف صاف یہ کہہ رہی ہے کہ انھوں نے ان مقاصد کے لیے خاصا کام کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ جماعتی عصبیت کا ایک دور ایسا بھی آیا۔ جب وہ مسلم لیگ سے بھی الجھ پڑے مگر جماعتی رقابتوں میں اس قسم کی غلطیوں کا امکان تو ہمیشہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ میں نے چودھری افضل حق صاحب سے دریافت کیا کہ پاکستان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی پاکستان کا تصور نہایت مبہم تھا۔ چودھری صاحب نے فرمایا: پاکستان ایک ناگزیر قدرتی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اس کے اٹل ہونے کا یقین ہے۔ اِلّا یہ کہ ہندوؤں کا صحت مند گروہ اس طریقے سے چلے کہ مسلمان اس مطالبے سے خود غافل رہیں۔

میں نے پھر پوچھا کہ آپ تحریک کو اپنے ہاتھ میں کیوں نہیں لے لیتے۔ فرمایا: شاید کسی وقت تحریک کشمیر کی طرح ہم اس میں کود پڑیں گے لیکن انگریز کی عیاری کا ڈر رہتا ہے۔ کہیں ہمیں اس میں الجھا کر آزادیٔ ہند کے خواب کو پریشان نہ کر دے جس دن آزادیٔ ہند کی منزل آنکھوں کے سامنے آجائیں گی۔ شاید قربانی خود ہمیں دعوت دے گی اور ہم اس وقت ہمہ تن موجود ہوں گے۔ لیکن آزادی پہلے پھر تقسیم۔ انھوں نے کہا میرا ذہن تو اس طرح سوچتا ہے! مگر افضل حق صاحب ایسے وقت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

افضل حق ایک ایسی جماعت کے رکن تھے۔ جس کا ہر ایک آتش نفس خطیب تھا...... مولانا ظفر علی خاں کے بقول ''یہ سیسہ پلائی دیوار'' مگر یہ قدرتی امر ہے کہ اس جماعت کے افراد میں ذہن و فکر کا بڑا فرق اور تنوع بھی تھا...... افضل حق اس تنوع سے بڑا فائدہ اٹھاتے تھے مگر بعض مواقع ایسے بھی آئے جب افضل حق کی معقول پسندی اور حقائق پسندی شکست کھا گئی۔ یہ موقع شہید گنج تحریک کا تھا۔ وہ عوامی نبض کے ماہر ہونے کے باوجود وقت کا اندازہ نہ لگا سکے اور حضرت شاہ کی پرزور مخالفت کے باوجود مجلس کو ایک ایسی فیصلے پر لے آئے۔ جس کے بعد احرار پنجاب کو وہ سیاسی حیثیت پھر کبھی نہ حاصل ہو سکی جو اس فیصلے سے قبل انھیں حاصل تھی۔ سنا ہے کہ اس معاملے میں سر فضل حسین کا جادو چل گیا تھا۔ چودھری صاحب مرحوم اپنے اس سیاسی حریف کے تدبر کے مداح تھے...... اور اس کے عقلی استدلال کے قائل تھے...... تو نتیجہ یہ نکلا کہ عقلی استدلال نے افضل حق کو شکست دی......! مگر انسانی زندگی بڑی پر پیچ شے ہے۔ اس راستے میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں ٹھوکریں بھی لگتی ہیں ...... اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا اطلاق ہر دوسرے شخص کی طرح چودھری افضل حق پر بھی ہوتا ہے۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ ''چٹان''، لاہور، ۱۲/ جنوری ۱۹۷۶ء)